© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ششماہی علوم القرآن، علی گڑھ، ۲۸/۲، جولائی - دسمبر ۲۰۱۳ء

ادار یہ

آدابِ معاشرت قرآن وسنت کی روشنی میں

ظفر الاسلام اصلاحی

یہ ایک نا قابل تردید حقیقت ہے کہ قرآن کریم جملہ انسانیت کے لیے بہترین و مکمل ترین وسیلۂ ہدایت ہے اور یہ زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق اصول وضوابط فراہم کرتا ہے اور اس میں بھی کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ انہی پر عمل کرنے میں انسانوں کی خیر و فلاح ہے۔ یہ اصول وضوابط ایسے جامع ومحکم ہیں کہ ہر دور میں ان کی اہمیت، افادیت اور معنویت مسلم رہی ہے۔ قرآن کریم نے معاشرتی زندگی سے متعلق جو اصول و آداب مقرر کیے ہیں وہ بھی اسی نوعیت کے ہیں۔ گھر میں داخل ہونے سے لے کر سلام وکلام، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، لباس و پوشش، خاطر و مدارات، تحفہ وتحائف دینے تک معاشرتی زندگی کا کون سا ایسا پہلو ہے جس کے بارے میں قرآن کی روشن ہدایات و تعلیمات نہ ملتی ہوں بشرطیکہ ہم ان کو جاننے وسمجھنے کی کوشش کریں۔ ذیل میں قرآن کریم کی روشنی میں معاشرت کے اصول وآداب واضح کیے جائیں گے اور ان سے متعلق احادیث کی تشریح وترجمانی بھی پیش کی جائے گی۔

آدابِ معاشرت کے ضمن میں قرآن کی اولین تعلیم گھر میں داخلہ کے طور و طریق سے متعلق ملتی ہے اور وہ یہ کہ کسی کے گھر (خواہ وہ اپنا ہی کیوں نہ ہو) میں داخل ہونا ہو تو اجازت لے کر اور سلام کر کے داخل ہوا جائے۔ اور اگر صاحبِ مکان کی جانب سے یہ کہا جائے کہ واپس جاؤ تو بلا تکلف واپسی اختیار کی جائے۔ اگر مکان خالی ہے تب بھی اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں داخلہ سے پرہیز کیا جائے یہاں تک کہ اس کی اجازت مل جائے۔ قرآن مجید کی ان آیات سے یہی ہدایات ملتی ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتاً غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ . فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَداً فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَإِن قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَى لَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ . لَّيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَدْخُلُوا بُيُوتاً غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ. (النور/۲۷-۲۹)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں نہ داخل ہو جب تک کہ تم تعارف نہ پیدا کرلو اور گھر والوں کو سلام نہ کرلو، یہ طریقہ تمھارے لیے موجبِ خیر و برکت ہے، تاکہ تم یاد دہانی حاصل کرو۔ اور اگر اس میں کسی کو نہ پاؤ تو نہ داخل ہو جب تک کہ تم کو اجازت نہ دے دی جائے، اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس ہو جاؤ، یہ تمھارے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے اور جو کچھ تم لوگ کرتے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے اور ان غیر رہائشی مکانوں میں داخل ہونے میں تمھارے لیے کوئی حرج نہیں ہے جس میں تمھارے لیے کوئی منفعت ہے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔

ان ہدایات سے مقصود اصلاً ان رخنوں کو بند کرنا ہے جو معاشرہ میں بدنگاہی، بے حرمتی اور دوسرے بہت سے اخلاقی مفاسد کو راہ دیتے ہیں۔ دوسرے ان آیات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ غیر رہائشی (غیر مسکونہ) گھروں میں بلا اجازت داخل ہونے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ مفسرین نے عام طور پر ان سے وہ مکانات یا مقامات مراد لیے ہیں جو کسی خاص فرد یا لوگوں کے لیے خصوصی طور پر رہائش گاہ نہیں ہیں بلکہ ان میں لوگوں کو ٹھہرنے اور استعمال کرنے کی عام اجازت ہوتی ہے، مثلاً مساجد، مدارس، مسافر خانے، ہوٹل، اسپتال، ڈاک خانے، ریلوے اسٹیشن، ہوائی اڈے اور دفاتر۔ لیکن موجودہ دور میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بدلی ہوئی صورت حال میں ان میں سے بیشتر مقامات پر اجازت کے بغیر داخلہ ممکن نہیں ہوتا یا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ اس لیے بلا اجازت داخل ہونے والے مقامات کی نئی تعبیر کی جا سکتی ہے۔ مزید براں اس آیت کا یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ بلا اجازت گھر میں نہ داخل ہونے کی ہدایت اور اجازت طلب کرنے پر واپسی کا اشارہ ملنے پر بلا تکلف واپس ہو جانے کی نصیحت کے بعد قرآن نے یہ گوش گذار کیا ہے کہ اسی میں بہتری ہے اور یہی پاک و صاف طریقہ ہے۔ اس اعلان کی وجہ بالکل واضح ہے کہ یہ دونوں باتیں بعض اوقات لوگوں کو ناگوار گزرتی ہیں یا پسند نہیں آتی۔ اس لیے اس حقیقت کو ذہن نشیں کرانا ضروری تھا کہ قرآنی تعلیم پر عمل کرنے میں ہی خیر و فلاح ہے۔

یہاں یہ واضح رہے کہ سلام کرنا ہر حال میں مطلوب ہے۔ گھر میں داخل ہونے سے قبل سے یا داخل ہوتے وقت سلام کرنا اس وجہ سے اور پسندیدہ ہے کہ یہ اجازت لینے کا بہترین طریقہ ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ بنو عامر کا ایک شخص نبی کریم ﷺ کے گھر آیا اور اس نے اندر آنے کی اجازت چاہتے ہوئے کہنے لگا: کیا میں اندر داخل ہو جاؤں (أألج)۔ آپ ﷺ نے اپنے خادم سے فرمایا: جاؤ اس کو اجازت لینا سکھا دو کہ وہ یوں کہے: السلام علیکم۔ کیا میں اندر آ جاؤں۔ یہ بات اس شخص نے سن لیا۔ اس نے کہا السلام علیکم۔ کیا میں اندر آؤں (أأدخل)۔ آپ ﷺ نے اس کو اندر آنے کی اجازت دے دی۔ (سنن ابو داوٗد، کتاب الادب، باب فی الا ستیذان)۔ دوسرے یہ بھی مسنون ہے کہ کسی کے گھر میں داخل ہوتے وقت وقفہ وقفہ سے تین بار سلام کیا جائے، اور اگر کوئی جواب نہ ملے تو واپسی اختیار کی جائے۔ آپ ﷺ کا یہ معمول بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب آپ کسی سے ملاقات کے لیے تشریف لے جاتے تو (گھر میں داخل ہونے سے قبل) تین مرتبہ سلام کر کے اجازت طلب فرماتے۔ اگر کوئی جواب نہ ملتا تو واپس تشریف لے جاتے (**مختصر زاد المعاد** تالیف: **محمد ابن عبد الوہاب**، اردو ترجمہ: **سعید احمد قمر الزماں** ندوی، وزارۃ الشئون الاسلامیہ، ریاض، ۱۴۱۷ھ، ص ۱۵۸)۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں کوئی شخص تین بار اجازت طلب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرے وہ پھر اس کو اجازت نہ ملے تو وہ لوٹ جائے (سنن ابو داؤد، کتاب الادب، باب کم مرۃ یسلم الرجل فی الا ستیذان)۔

قرآن کریم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلام کے آداب میں یہ سے ہے کہ جب کوئی سلام کرے تو اس کا جواب اس سے بہتر طریقہ پر دیا جائے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَإِذَا حُيِّيْتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّواْ بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا۔ (النساء/۸۶)

اور جب کوئی تمھیں سلام کرے تو تم اس کو اس سے بہتر طریقہ سے جواب دو۔ یا کم از کم سلام کے جواب میں وہی الفاظ لوٹا دو۔

اس کا ایک مفہوم تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ سلام کا جواب خندہ پیشانی و خوش دلی سے دیا جائے، دوسرے یہ کہ جواب دیتے وقت دعا کے کچھ الفاظ بڑھا دیے جائیں۔ اس حدیث سے اس کی مزید تشریح ہوتی ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جواب میں جس قدر الفاظ (السلام علیکم ورحمۃ اللہ/و برکاتہ/ مغفرتہ) بڑھاتے جائیں گے، اسی قدر ثواب میں اضافہ ہوتا جائے گا (جامع ترمذی، کتاب الادب، باب کیف السلام)۔ سلام کی اہمیت اور ہر ملاقات کے وقت (خواہ تھوڑی دیر بعد ہی کیوں نہ ہو) اس کی فضیلت نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے واضح ہوتی ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے ملاقات کرے تو چاہیے کہ اسے سلام کرے۔ پھر اس کے بعد اگر دونوں کے درمیان کوئی دیوار، درخت یا پتھر حائل ہو جائے اور پھر اس سے ملاقات ہو تو اسے دوبارہ سلام کرے (سنن ابو داؤد، کتاب السلام، باب فی الرجل یفارق الرجل ثم یلقاہ یسلم علیہ)۔

قرآن کی رو سے ملاقات کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ نہایت خندہ پیشانی سے ملا جائے، غرور و تکبر کا رویہ نہ اختیار کیا جائے اور قرآن کی تعبیر کے مطابق ملاقات کے وقت منہ نہ ٹیڑھا کیا جائے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ (لقمان/۱۸)

اور [غرور میں] لوگوں سے منہ نہ ٹیڑھا کرو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منہ ٹیڑھا کرنا متکبرانہ انداز اختیار کرنے کی بہترین تمثیل ہے۔ یہ مومن کی شان کے خلاف ہے، بلکہ ایمان اور کریمانہ اخلاق کا تقاضا یہ ہے کہ ملاقات کے وقت خلوص و محبت سے پیش آئے اور خاکساری کا مظاہرہ کرے۔ حقیقت یہ کہ کسی سے خندہ پیشانی سے ملنا بھی ایک نیکی ہے جیسا کہ فرمان نبوی ﷺ ہے کہ نیکی کی کسی بات کو حقیر نہ خیال کرو گرچہ وہ اپنے بھائی سے ہنسی خوشی ملنا ہی کیوں نہ ہو (صحیح مسلم، کتاب البر والصلہ والآداب، باب استحباب طلاقة الوجه عند اللقاء)۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ملاقات کے وقت بات چیت میں نرم لہجہ اختیار کیا جائے اور بھلی بات کہی جائے۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْناً (البقرہ/۸۳) (اور لوگوں سے بھلی بات کہو)

مفسرین کے بیان کے مطابق اس آیت سے مراد یہ ہے کہ بات چیت میں سختی و تندی کا اظہار نہ ہو، بلکہ نرم لہجہ اور اچھے الفاظ میں بات چیت کی جائے۔ اس کی مزید تاکید اس حدیث میں ملتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ و یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ بھلائی کے لیے زبان کھولے یا چپ رہے (صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان ومن كان يومن بالله واليوم الآخر فليقل خيراً او ليصمت)۔

قرآن کی نظر میں آدابِ گفتگو میں یہ بھی شامل ہے کہ پست آواز میں بات چیت کی جائے، چیخا چلایا نہ جائے اور نہ سب وشتم کا لہجہ اختیار کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ (لقمان/۱۹)

اور اپنی آواز پست رکھو، سب آوازوں میں سب سے زیادہ کریہہ آواز گدھے کی ہوتی ہے۔

صاحبِ ''تدبر قرآن'' نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''اور اپنی آواز میں کرختگی وخشونت کی جگہ نرمی ولینت پیدا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر حسن بیان وحسن کلام کی نعمت سے نوازا ہے تو وہ حسنِ کلام کو چھوڑ کر گدھوں کی صف میں شامل ہونے کی کوشش نہ کرے (تدبر قرآن، تاج کمپنی، دہلی، ۱۹۸۹ء، ۶/۴۳۳)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن کریم میں مجلس میں بیٹھنے کے آداب بھی بیان کیے گئے ہیں اور خاص طور سے یہ ہدایت دی گئی ہے کہ دوسروں کے بیٹھنے کے لئے گنجائش پیدا کی جائے اور اگر اس کے لیے کسی کے اٹھنے کی ضرورت پیش آئے تو اسے برا نہ مانا جائے، بلکہ خوشی خوشی اسے گوارا کیا جائے۔ارشاد الٰہی ہے:

یَـا أَیُّھَـا الَّـذِیْـنَ آمَنُـوا إِذَا قِیْلَ لَکُمْ تَـفَسَّـحُـوا فِـیْ الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا یَـفْسَـحِ الـلّـٰہُ لَکُمْ وَإِذَا قِیْلَ انشُزُوا فَانشُزُوا. (المجادلہ/۱۱)	اے مومنو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں کھل کر بیٹھو تو کھل کر بیٹھ جایا کرو، اللہ تم کو کشادگی بخشے گا اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ جایا کرو۔

مقصود یہ کہ بعد میں آنے والوں کو جگہ دینے میں فراخ دلی سے کام لیا جائے اور اگر صاحبِ مجلس ضرورت کے تحت کسی کو اپنی جگہ سے اٹھ جانے کے لیے کہے تو اس میں عار نہیں محسوس کرنا چاہیے اور نہ تنگ دلی سے کام لینا چاہیے۔احادیث شریفہ سے اس قرآنی ہدایت کی مزید تشریح ملتی ہے۔نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مسلمان کا یہ حق ہے کہ جب اس کا کوئی بھائی اسے اپنے پاس آتا دیکھے تو اس کے لئے اپنی جگہ سے کچھ ہٹے اور اسے اپنے قریب بٹھائے (سنن بیہقی، فی شعب الایمان)۔لیکن اسی کے ساتھ یہ ہدایت بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ یہ کسی طرح جائز نہیں کہ مجلس میں کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود اس کی جگہ بیٹھ جائے۔حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی آدمی کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر اس کی جگہ کو دنہ بیٹھ جائے (صحیح بخاری، کتاب الاستیذان، باب لا یقیم الرجل الرجل من مجلسه)۔

کسی سے ملاقات کرنے یا کسی کام کے لیے جاتے وقت کیسے چلا جائے، راستہ میں کیا طرز عمل اختیار کیا جائے۔یہ بظاہر معمولی سی بات ہے لیکن روزمرہ زندگی میں بڑی اہمیت رکھتی ہے، یہ بھی انسان کے دوسروں کے ساتھ برتاؤ اور اخلاقی زندگی کا بیرومیٹر ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اس کے آداب سکھائے ہیں، یعنی راستہ چلنے کا طریقہ بتایا ہے۔ارشادِ ربانی ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحاً إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ. (لقمان/۱۸)

اور زمین پر اکڑ کر نہ چلو، بلاشبہ اللہ کسی اترانے والے اور غرور کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

اس کے آگے ارشاد ہے:

وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ (لقمان/۱۹)

اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو۔

اکڑ کر چلنا تکبر کی علامت ہے۔ اس کی ممانعت سے مقصود یہ ہے کہ چلنے میں خاکساری کی روش اختیار کی جائے اور اس طرح نہ چلے کہ چال سے غرور و تکبر کا اظہار ہو۔ دوسرے انسان کو اس کی اصل حقیقت بھی یاد دلانی ہے کہ وہ زمین کی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے، اس میں تواضع ہے اور نرمی و ملائمت بھی۔ لہٰذا انسان اپنی حقیقت کو پہچانے اور چلتے ہوئے اکڑفو کرنا چھوڑ دے، اس لیے کہ یہ مغروروں کا طریقہ ہے۔ دوسری آیت میں یہ تلقین کی گئی ہے کہ وہ چلنے میں بیچ کی راہ اختیار کرے۔ نہ تو بہت تیز دوڑ بھاگ کر چلے اور نہ بالکل سست رفتار ہو جائے۔

قرآن کریم سے راستہ چلنے کے کچھ اور اصول و آداب بھی واضح ہوتے ہیں اور اہم بات یہ کہ ان کے مخاطب مرد و عورت دونوں ہیں۔ قرآن مجید کی متعلقہ ہدایت کے بارے میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ سب سے پہلے مردوں کو یہ تاکید کی گئی کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَقُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (النور/۳۰)

اور مومن مردوں کو یہ ہدایت کیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔

اس آیت سے مردوں کو اس جانب متوجہ کرتا ہے کہ ان کے لیے یہ روا نہیں ہے کہ وہ (چاہے گھر میں ہوں یا کہیں راستہ میں) اپنی نگاہیں ادھر ادھر عورتوں پر ڈالیں یا نظر کی بداحتیاطی کا شکار ہوں، اس لیے کہ اسی سے بے حیائی اور کسی کی عزت و عصمت سے کھیلنے کی راہیں کھلتی ہیں۔ یہاں یہ واضح رہے کہ راہ چلتے اگر کسی عورت پر اچانک نگاہ پڑ جائے تو کوئی حرج نہیں، لیکن دوبارہ قصداً ان پر نظر ڈالنا صحیح نہ ہوگا، جیسا کہ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت جریر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نبی کریم ﷺ سے (کسی عورت پر) اچانک نظر پڑ جانے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے انہیں نظر پھیر لینے کا حکم دیا (جامع ترمذی، ابواب الا استیذان والادب، باب ما جاء فی نظرۃ الفجاء، صحیح مسلم، کتاب الآداب، باب نظر الفجأۃ)۔ ایک دوسری حدیث سے اس کی مزید وضاحت ملتی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ: اے علی! (کسی (عورت) پر نظر پڑ جانے کے بعد دوبارہ (اس پر) نظر نہ ڈال۔ پہلی (اتفاقی) نظر تیرے لیے ہے اور دوسری تیرے لیے ہرگز نہیں ہے (جامع ترمذی، ابواب الاستیذان و الادب، باب ما جاء فی نظرۃ الفجاءۃ)، یعنی اتفاقاً کسی عورت پر نظر پڑ جائے تو کوئی مواخذہ نہیں ہے، لیکن دوبارہ بالارادہ اس پر نظر ڈالنا جائز نہ ہوگا۔

دوسری جانب عورتوں کو مخاطب کرتے ہوئے انہیں یہ ہدایت دی گئی کہ راستہ چلتے وقت وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، زیب و زینت کو ظاہر نہ کریں اور باقاعدہ حجاب اختیار کریں۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ. (النور/۳۱)

اور [اے نبی ﷺ] مومن عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ سنگار نہ دکھائیں سوائے اس کے جو خود ظاہر ہو جائے اور اپنے سینے پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رکھیں۔

یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ آیت میں مرد و عورت دونوں کو راہ چلتے غضِ بصر (نگاہیں پست رکھنے) کی ہدایت دی گئی ہے، لیکن بعض شارحینِ حدیث نے اچانک یا بالقصد کسی عورت پر نظر ڈالنے سے متعلق مذکورہ بالا حدیث کی روشنی میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ راستہ میں عورت کے لیے منہ ڈھانکنا واجب نہیں، بلکہ سنتِ مستحبہ ہے البتہ مردوں کے لیے واجب ہے کہ وہ عورتوں کے سامنے اپنی نگاہ نیچی رکھیں (یحیٰ بن شرف النووی، شرح صحیح مسلم، دار الخیر، دمشق، ۱۹۹۸ء، ۱۴/۳۱۵)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظر کی بے احتیاطی اور زیب و زینت کا اظہار گھر کے اندر ہو سکتا ہے اور گھر کے باہر بھی۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ اس کے زیادہ امکانات گھر کے باہر نکلنے پر ہی ہوتے ہیں۔ اس لیے قرآن کریم کی اس ہدایت کا تعلق دونوں مقامات سے ہے۔ دوسرے یہ کہ زینت سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے انسان اپنے آپ کو مزین اور خوش نما بناتا ہے۔ وہ عمدہ لباس بھی ہو سکتا ہے اور زیور بھی۔ آیت سے یہ تعلیم دینا مراد ہے کہ عورتیں اپنی زینت یعنی مواقع زینت ظاہر نہ کریں۔ ان کی عزت و آبرو کے تحفظ کے پیش نظر مزید تاکید یہ کی گئی:

وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ۔ (النور/۳۱)

اور اپنے پیر زمین پر مارتی ہوئی اس طرح نہ چلا کریں کہ ان کی چھپی ہوئی زینت لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جائے۔

یہاں یہ واضح رہے کہ عورت کی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ وہ بناؤ سنگار کرے اور زیب و زینت ظاہر کرے لیکن قرآن سب کے سامنے اس کے اظہار کی اجازت نہیں دیتا۔ قرآن کبھی اسے پسند نہیں کرتا کہ مومنات بناؤ سنگار کر کے راہ چلتے سب کو دکھاتے پھریں اور دوسروں کو دعوتِ نظارہ دیں۔ درحقیقت قرآن مجید عورتوں کو (چاہے وہ گھر کے اندر ہوں یا باہر) ہر اس کام سے روکتا ہے جو دوسروں کے شہوانی جذبات ابھارنے کا باعث بنتا ہے۔

یہ بات بخوبی معروف ہے کہ اسلام کسی بھی صورت میں مرد و عورت میں اختلاط کو پسند نہیں کرتا۔ راستہ چلتے وقت بھی اس بات کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ حدیث میں دونوں کے ساتھ چلنے کا یہ طریقہ بتایا گیا ہے کہ دونوں الگ الگ چلیں اور بہتر ہوگا کہ عورتیں راستہ کے کنارے چلیں۔ مردوں و عورتوں دونوں کو یہ صاف ہدایت دی گئی کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر نہ چلیں۔ یعنی نہ مرد عورتوں کے بیچ چلیں اور نہ عورتیں مردوں کے بیچ چلیں۔ حضرت ابو اسید انصاریؓ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو مسجد سے نکلتے ہوئے (جب کہ لوگ راستہ میں عورتوں سے مل جل گئے تھے) یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عورتو! پیچھے ہٹ جاؤ، تمہیں بیچ راستہ میں نہیں چلنا چاہئے، بلکہ تمہیں کنارے سے چلنا چاہیے۔ (اس کے بعد) عورتیں دیوار سے لگ کر چلنے لگیں یہاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تک کہ ان کا کپڑا دیواروں سے الجھ جاتا تھا (سنن ابو داؤد، کتاب الادب، باب مشی النساء فی الطریق)۔ ایک دوسری حدیث (بروایت حضرت عبداللہ ابن عمرؓ) کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو دو عورتوں کے بیچ چلنے سے منع فرمایا (محمد فاروق خان، کلامِ نبوت، ۱۱۹/۳ بحوالہ سنن ابو داؤد)۔ اس سے یہ حکم نکلتا ہے کہ جس طرح عورتوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ مردوں کے بیچ نہ چلیں، اسی طرح مردوں کو عورتوں کے بیچ چلنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

روز مرہ زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ ملاقات، بات چیت اور رہن سہن کا کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے؟ بلا شبہ اس کا تعلق بھی معاشرتی زندگی کے اصول و آداب سے ہے۔ اس باب میں قرآنی تعلیمات کا ایک بہت ہی اہم پہلو یہ ہے کہ ایک دوسرے کی عزت و وقار کا خیال رکھا جائے اور کسی کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھا جائے اور اس کے لیے ضروری ہے کسی کا مذاق نہ اڑایا جائے۔ قرآن کی اس ہدایت کی اہمیت اس سے بخوبی واضح ہوتی ہے کہ مردوں اور عورتوں دونوں کو الگ الگ خطاب کر کے یہ ہدایت دی گئی ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ۔ (الحجرات ۱۱/)

اے ایمان والو! کچھ لوگ دوسرے لوگوں کا مذاق نہ اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور [اسی طرح] عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے یاد کرو۔

صاحبِ ''تفہیم القرآن'' نے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تمسخر یا مذاق اڑانے سے مراد محض زبان سے ہی کسی کا مذاق اڑانا نہیں ہے، بلکہ کسی کی نقل اتارنا، اس کی طرف اشارے کرنا، اس کی بات پر، یا اس کے کام یا اس کی صورت یا اس کے لباس پر ہنسنا یا اس کے کسی عیب یا نقص کی طرف لوگوں کو اس طرح توجہ دلانا دوسرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس پر ہنسیں۔ یہ سب بھی مذاق اڑانے میں داخل ہے (سید ابو الاعلیٰ مودودی، **تفہیم القرآن**، مرکزی مکتبہ اسلامی، نئی دہلی، ۲۰۰۳ء، ۸۵/۵)۔ مولانا مفتی محمد شفیع کی رائے میں تنابز بالالقاب سے مراد کسی کو برے لقب سے پکارنا جس سے وہ ناراض ہوتا ہے، جیسے کسی کو لنگڑا، لولا، اندھا، کانا کہہ کر پکارنا یا اس لفظ سے اس کا ذکر کرنا۔ اسی طرح جو نام کسی کی تحقیر کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اس نام سے پکارنا۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن کا حق دوسرے مومن پر یہ ہے کہ اسے ایسے نام یا لقب سے یاد کرے جو اس کو زیادہ پسند ہو۔ (**معارف القرآن**، مکتبہ مصطفائیہ، دیوبند، بدون تاریخ، ۱۱۷/۸) بہر حال کسی کا مذاق اڑانا یا اسے برے نام ولقب سے یاد کرنا نہ صرف اس کی تحقیر کا باعث ہوتا ہے بلکہ اس سے اس کی دل آزاری بھی ہوتی ہے اور یہ بالآخر دونوں میں ناچاقی اور نزاع کا باعث بھی بن جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ مذاق اڑانے والا بظاہر اپنے آپ کو بہت بڑا اور عزت والا سمجھتا ہے اور دوسرے کو ہیچ تصور کرتا ہے۔ قرآن نے اسے یاد دلایا کہ یہ اس کی بھول ہے۔ عزت وذلت تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے (فان العزة لله جميعاً/النساء۔۱۳۹)۔ وہی بہتر جانتا ہے کہ کون صحیح معنوں میں عزت والا ہے اور کون اس کی نظر میں حقیر ہے۔ اس نے اس کا ایک پیمانہ بھی مقرر کر رکھا ہے۔ اس لیے کسی کا مذاق اڑانے والا سوچے اور غور کرے کہ وہ جس کا مذاق اڑا رہا ہے ہوسکتا ہے کہ وہ اس سے بہتر اور اللہ کی نظر میں محبوب ومکرم ہو۔ لہٰذا اسے چاہیے کہ وہ اس حرکت سے باز آجائے۔

صفائی، ستھرائی یا نظافت مومن کے مطلوبہ صفات میں سے ہے۔ قرآن وحدیث کی رو سے یہ اہتمام بدن، لباس، مکان اور دوسری چیزوں میں بھی مطلوب ہے۔ قرآن کی نظر میں اس کی اہمیت اس اعلان سے بخوبی واضح ہوتی ہے کہ اللہ رب العزت پاک و صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَن يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ. (التوبہ/۱۰۸)

اس [مسجد] میں ایسے لوگ جمع ہیں جو اچھی طرح پاک و صاف رہنے کو پسند کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پاک وصاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ بخوبی معروف ہے کہ حدیث میں طہارت کو نصف ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (الطهارة شطر الایمان/ صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب فضل الوضوء) نماز تمام عبادات میں افضل ہے۔ اس کی بجا آوری کے وقت پاک وصاف رہنے کی خاص تاکید کی گئی ہے (المائدہ/۶، النساء/۴۳، المدثر/۱-۵)۔ باقی عام حالات میں بھی پاکی و صفائی کے اہتمام کی قرآن وحدیث دونوں میں بہت تاکید ملتی ہے۔ حقیقت یہ کہ ایک مومن کے بارے میں یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ ناپاک یا گندا رہے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مسلمانو! اپنے جسموں کو پاک وصاف رکھو۔ اللہ تمہیں پاک رکھے گا۔ (سلیمان بن الطبرانی، المعجم الکبیر، ۱۲/۳۴۱، حدیث نمبر: ۱۳۶۲۰)۔ ایک دوسری حدیث میں حضرت سعید بن مسیّب کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ اللہ طیب (پاک) ہے اور طیب (اشیاء) کو پسند کرتا ہے، نظیف ہے اور نظافت کو پسند کرتا ہے۔ ایک راوی نے یہ حدیث حضرت سعدؓ سے مرفوعاً بیان کی ہے اور ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے: و نظّفوا افنیتکم [اپنے صحن کو صاف رکھو] (جامع ترمذی، ابواب الاستیذان والادب، باب النظافة)۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ گھروں کی صفائی کی بھی تاکید کرتے تھے۔ یہ روایت تو بخوبی معروف ہے کہ آپ ﷺ مسجد اور اپنے گھر کی صفائی ستھرائی کا اہتمام کرتے تھے اور کبھی کہیں کوئی گندگی دیکھتے تو سخت ناپسند فرماتے اور اسے صاف کرنے کی جانب توجہ دلاتے۔ دیواروں پر تھوک وغیرہ کے دھبے دیکھتے تو خود چھڑی کی نوک سے کھرچ کر مٹا دیتے اور اگر کوئی اور اس طرح کا نیک کام کرتا تو اس پر خوشی کا اظہار فرماتے اور اس کے لیے تحسینی کلمات ادا فرماتے۔ حضرت انس ابن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد میں (دیوار پر) قبلہ کی جانب بلغم دیکھا تو غصہ کا اظہار کیا یہاں تک کہ چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا۔ ایک انصاری عورت نے اسے دیکھا تو اس کو رگڑ کر مٹا دیا اور اس کی جگہ خوشبو لگا دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا ہی اچھا کام ہے (سنن نسائی، کتاب المساجد، باب تخلیق المساجد۔ نیز دیکھیے شبلی نعمانی، سیرۃ النبی ﷺ، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، ۲۰۰۳ء، ۲/۱۶۲، محمد عبدالحی، اسوۂ رسول اکرم ﷺ، مکتبہ تھانوی،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیوبند، بدون تاریخ، ص ۳۶۶)۔ اسی طرح یہ روایت ملتی ہے کہ آپ ﷺ کو یہ بات سخت ناپسند تھی کہ کوئی میلے کپڑے پہنے اور بال بے ہنگم رکھے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ہمارے پاس آئے اور ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے سر کے بال بکھرے ہوئے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا یہ شخص کوئی چیز سر صاف کرنے کے لئے نہیں پاتا جس سے وہ اپنا سر آراستہ کرے اور (اسی طرح) ایک میلے کپڑے والے شخص کو دیکھ کر فرمایا کہ کیا اسے وہ (پانی یا صابن) نہیں ملتا جس سے وہ اپنا کپڑا دھولے۔ ان کے پاس کنگھا نہیں تھا کہ بال درست کر لیتے (سنن ابو دوٗد، کتاب اللباس، باب فی الخلقان و فی غسل الثوب؛ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب اللباس، باب الترجل)۔ ایک دوسری حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کے سر پر بال ہو اسے چاہیے کہ وہ اسے درست رکھے (سنن ابو داؤد، کتاب الترجل، باب فی اصلاح الشعر)۔

یہ بات بخوبی معروف ہے کہ نظافت کے اہتمام میں خوشبو کا استعمال بھی شامل ہے۔ قرآن کریم میں خوشبو دار پھول کو اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ ربّ العزت کا ارشاد ہے:

فِیهَا فَاکِهَةٌ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَکْمَامِ.
وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّیْحَانُ.
فَبِأَیِّ آلَاءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبَانِ۔
(الرحمٰن ۱۰-۱۳)

اور اسی نے خلقت کے لیے زمین بچھائی، اس میں میوے اور کھجور کے درخت ہیں جن کے خوشبو کے غلاف ہوتے ہیں اور اناج جس کے ساتھ بھس ہوتا ہے اور خوشبودار پھول۔ تو تم لوگ اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟۔

حدیث سے یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ خوشبو کو بہت پسند فرماتے تھے، کثرت سے اس کا استعمال کرتے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے (مولانا اشرف علی تھانوی، نشر الطیب فی ذکر الحبیب، ورلڈ اسلامک پبلیکیشنز، دہلی، ۱۹۸۲ء، ص ۱۲۲-۱۲۴)۔ ایک حدیث کے مطابق آپ ﷺ کے پاس سکّہ (عطر دان یا خوشبوئے مرکب) تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ ﷺ وہی استعمال کرتے تھے(سنن ابو داؤد ، کتاب الترجل، باب استحباب الطیب)۔آپ ﷺ نظافت کا اتنا خیال رکھتے تھے کہ سو کر اٹھتے تو قضائے حاجت سے فراغت کے بعد وضو کرتے اور لباس پر خوشبو لگاتے (خصائل نبوی ﷺ ،اردو ترجمہ شمائل ترمذی از مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، کتب خانہ یحیوی، بدون تاریخ،ص ۱۱۰)۔

لباس انسان کے وقار و تہذیب کا مظہر ہے۔ بے لباسی و عریانی انسانی فطرت کے خلاف ہے اور اسلام کبھی اس کی اجازت نہیں دیتا بلکہ وہ دوسرے معاملات کی طرح اس باب میں بھی شائستگی ،وقار و نفاست کی تعلیم دیتا ہے۔لباس و پوشاک کے بارے میں بھی قرآن کریم کی ہدایات بہت واضح ہیں۔ متعلقہ قرآنی آیات سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ قرآن کی نظر میں لباس کے دو بنیادی مقاصد ہیں:اول ستر پوشی اور دوسرے زینت اختیار کرنا۔قرآن کریم کی اس آیت سے یہی حقائق سامنے آتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

یَا بَنِیْ آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاساً يُوَارِي سَوْءَاتِكُمْ وَرِيشاً وَلِبَاسُ التَّقْوَىَ ذَلِكَ خَيْرٌ ذَلِكَ مِنْ آيَاتِ اللّهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ. (الاعراف/۲۶)

اے اولاد آدم ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے وہ تمھارے جسم کے قابل شرم حصوں کو ڈھانکنے اور تمھارے لیے جسم کی حفاظت و زینت کا ذریعہ بھی ہو اور بہترین لباس تقویٰ کا لباس ہے، اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے شاید کہ لوگ اس سے سبق لیں۔

یہ بڑی اہم بات ہے کہ لباس کو ستر پوشی کے علاوہ اسے زینت کا ذریعہ بھی قرار دیا گیا ہے، لیکن اس سے زیادہ اہم بات قرآن کا یہ اعلان ہے کہ تقویٰ کا لباس سب سے بہتر ہے۔اس سے اصل مقصود اس جانب متوجہ کرنا ہے کہ لباس کو زینت کے طور پر ضرور اختیار کیا جائے ،لیکن اس میں تقویٰ کا پاس ولحاظ رہے، زینت ایسی نہ اختیار کی جائے کہ یہ شرم وحیاء کے خلاف ہو اور اخلاقی قدروں کے منافی ہو۔ ایسا لباس نہ پہنا جائے کہ لباس پہنے ہوئے بھی بے لباس نظر آئے اور عریانیت کا مظاہرہ ہو۔گرچہ اسلام کی یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہدایت سب کے لیے ہے،لیکن اس کی خاص تاکید عورتوں کے ضمن میں ملتی ہے۔اوپر وہ آیت گذر چکی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''اے نبی مومن عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نگاہیں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں بجز جو خود ظاہر ہو جائے''۔اس آیت میں زینت کے اظہار سے عورتوں کو منع کیا گیا ہے۔ مفسرین کے بیان کے مطابق زینت کی چیزوں میں لباس بھی داخل ہے اور زیورات بھی۔اس میں نہ تو ہر چیز کا چھپانا ممکن ہے اور نہ ہر چیز کا اظہار نا گزیر ہے۔یعنی لباس کے استعمال میں احتیاط ضروری ہے۔ایسا لباس نہ پہنا جائے جو ستر پوشی کے مقصد کو پورا نہ کرے اور ایسی زیب و زینت نہ اختیار کی جائے کہ یہ محرکِ جذبات بن جائے اور تیسرے یہ کہ اس میں تکبر وغرور کا شائبہ نہ ہو۔مذکورہ آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے صاحبِ ''تفہیم القرآن'' رقم طراز ہیں:

''انسان کے لیے لباس کا صرف ذریعۂ ستر پوشی اور وسیلۂ زیب و زینت ہونا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ فی الحقیقت اس معاملہ میں جس بھلائی تک انسان کو پہنچنا چاہیے وہ یہ ہے کہ اس کا لباس تقویٰ کا لباس ہو،یعنی پوری طرح ساتر بھی ہو،زیب و زینت میں حد سے بڑھا ہوا ہو آدمی کی حیثیت سے گرا ہوا نہ ہو اور تکبر کی شان لیے ہوئے بھی نہ ہو اور پھر ان ذہنی امراض کی نمائندگی بھی نہ کرتا ہو جن کی بنا پر مرد زنانہ پن اختیار کرتے ہیں اور عورتیں مردانہ پن کی نمائش کرنے لگتی ہیں'' (تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی،۲۰۰۳ء،۲/۲۰، حاشیہ نمبر۱۶)۔

یہاں یہ وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ قرآن وحدیث کی رو سے یہ بات ممنوع نہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو مال و دولت کی نعمت سے نوازا ہے اور وہ صاحبِ وسعت ہے تو وہ عمدہ ونفیس لباس پہنے، بلکہ ایسا مطلوب ہے۔اس لیے کہ اللہ چاہتا ہے کہ جس انسان کو نعمت ملی ہوئی ہے اس کا اظہار ہو۔البتہ اس باب میں غرور و گھمنڈ سے بچا جائے۔ایک حدیث سے یہ معاملہ اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ بات پسند ہے کہ اس کی نعمت کا اثر اس کے بندے سے ظاہر ہو(جامع ترمذی ، ابو اب الاستیذان والادب، باب ما جاء انّ اللہ یحب ان یریٰ اثر نعمتہ علیٰ عبدہ) ۔اچھے لباس کے ذریعہ نعمت کا اظہار یقیناً مطلوب ہے،لیکن اس اظہار میں نمائش اور تکبر کا عنصر نہیں ہونا چاہیے۔حضرت عمر بن شعیب اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کھاؤ، پیو اور صدقہ کرو اور پہنو جب تک اس میں اسراف و تکبر نہ ہو(سنن ابن ماجہ ، کتاب اللباس ،باب البس ما شئت ما اخطاك اسراف او مخیلۃ)۔

ان سب تفصیلات سے یہ معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی رو سے لباس میں متانت، شائستگی اور عدم نمود و نمائش ہر حال میں مطلوب ہے۔اس کی مزید تائید احادیث سے ہوتی ہے۔حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دو قسم کے لباسوں سے منع فرمایا: ایک اشتمال الصماء سے۔یعنی ایسے لباس سے جو بالکل جدن سے چمٹا ہوا ہو اور دوسرے احتباء سے۔یعنی ایک کپڑا کو ایسا لپیٹ لے کہ ستر کھلا رہے(سنن ابن ماجہ، کتاب اللباس ،باب ما نهی عنه من اللباس)۔لباس میں غرور کے رویہ کے اظہار کی ممانعت اس فرمانِ رسول اللہ ﷺ سے ہوتی ہے کہ جو شخص دنیا میں شہرت و ناموری کے لیے لباس پہنے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے ذلت کا لباس پہنائے گا(سنن ابن ماجہ ، کتاب اللباس،باب من لبس شهرة من الثیاب) ۔ان احادیث میں جن کپڑوں کے استعمال کی ممانعت کی گئی ہے ان کا تعلق مردوں اور عورتوں دونوں سے ہے۔موجودہ دور کے جدید فیشن میں جس قسم کے لباس کا استعمال ہوتا ہے اس سے ان کپڑوں کی نوعیت اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے جن کی ممانعت ان احادیث میں کی گئی ہے ۔ران کی وجہ سے سماج میں جو خرابیاں و برائیاں پیدا ہوتی ہیں وہ اور کھل کر سامنے آجاتی ہیں۔مزید برآں یہ اسلام میں ان کی ممانعت کی حکمت و مصلحت کو اور طشت از بام کردیتی ہیں۔خاص عورتوں کے سیاق میں حدیث میں ایک خاص قسم کے لباس کو ممنوع قرار دیتے ہوئے اس کی جو صفت بیان کی گئی ہے آج کا فیشن زدہ سماج اس کی پورا عکاس ہے۔ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ بہت سی لباس پہننے والی عورتیں بے لباس یا عریاں ہوتی ہیں (نساء کاسیات عاریات، صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب النساء الکاسیات العاریات)۔اس بلیغ جملہ نے انتہائی باریک لباس کی نہ صرف بہترین عکاسی کردی، بلکہ اس خرابی و برائی کو بھی نہایت اچھے انداز میں واضح کردیا جو اس قسم کا لباس اپنے ساتھ لاتا ہے۔

قرآن کریم میں کھانے پینے کے آداب کے ضمن میں بھی بعض اصولی باتیں ملتی ہیں۔قرآن میں کھانے پینے کی انواع واقسام کی چیزوں کو ذکر کر کے انسان کو یہ یاد دلایا ہے کہ یہ سب اللہ ربّ العزت کی نعمتیں ہیں، انہیں استعمال کرنے کی پوری اجازت حاصل ہے، لیکن چاہیے کہ انہیں استعمال کرتے وقت عطا کرنے والے کا شکر ادا کیا جائے۔اور اس شکر کا ایک پہلو یہ ہے کہ انہیں اسی طریقہ سے استعمال کیا جائے جیسا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بتایا ہے۔اس باب میں پہلا ضابطہ جو قرآن میں ملتا ہے وہ یہ ہے کہ کھانے پینے میں فضول خرچی سے پرہیز کیا جائے یعنی اس نعمتِ خداوندی کی قدر کی جائے۔قرآن وحدیث کی رو سے ہر چیز کے استعمال میں حد سے تجاوز کرنا یا اسراف ممنوع ہے اور ایسا کرنے والے اللہ کی نگاہ میں انتہائی ناپسندیدہ ہوتے ہیں، اس لیے کہ یہ اس کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں۔اس باب میں کھانے پینے سے متعلق قرآن کی ہدایت بالکل واضح ہے۔ارشادِ ربانی ہے:

وَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهُ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ۔ (الاعراف/۳۱)	کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی نہ کرو، بے شک وہ (اللہ تعالیٰ) فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

یہاں یہ واضح رہے کہ ''اسراف'' میں بلاضرورت کسی چیز کا استعمال کرنا اور ضرورت سے زیادہ استعمال کرنا دونوں شامل ہے۔عام دعوتوں اور اظہارِ خوشی کے پروگرامس کے علاوہ شادی کی تقریبات میں اس کے مظاہر سامنے آتے رہتے ہیں۔اسراف کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اس سے کھانے پینے کی چیزوں کا ضیاع ہوتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اورمحتاجوں اور محروموں کا حق مارا جاتا ہے۔ دوسرے اس میں نمود ونمائش اور خواہش نفس کی تکمیل کا دخل ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں تو اسی خواہش کی تکمیل کو اسراف سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حضرت انس ابن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہر اس چیز کا کھانا جس کی نفس خواہش کرے اسراف میں داخل ہے (سنن ابو داؤد، ابواب الاطعمہ، باب من الاسراف ان تاکل ما اشتھیت)۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جہاں اسراف اور نام ونمود کا دخل ہوتا ہے وہاں کسی نہ کسی صورت میں تکبر وغرور کا بھی شائبہ ہوتا ہے۔ یہ رویہ ہر حالت میں مذموم ہے اور کھانے پینے کے ضمن میں بھی اس کی ممانعت کی گئی ہے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں کھاتا ہوں جس طرح (اللہ کا) بندہ کھاتا ہے اور میں بیٹھتا ہوں جس طرح بندہ بیٹھتا ہے (محمد فاروق خان، کلام نبوت، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۱۱ء، ۳/۲۸۵۔۲۸۶، حاشیہ نمبر۷)۔ ظاہر ہے کہ بندگی کا اظہار اس وقت ہوتا ہے جب ایک شخص اللہ ربّ العزت کی عظمت و کبریائی کے تصور اور اس کی بے پایاں نعمتوں پر شکر وسپاس کے جذبہ اور اپنی عاجزی و کمزوری کے احساس سے معمور ہوتا ہے۔ بلا شبہ ایسا شخص تکبر وغرور کی کیفیت سے بہت دور ہوتا ہے۔ اسی سے یہ نکتہ نکلتا ہے کہ متواضع ہو کر کھانا کھانا چاہیے۔ ٹیک لگا کر کھانا کھانا تواضع کے منافی ہے اور کھانے کے ادب کے بھی خلاف ہے (الّا یہ کہ کوئی معذوری ہو)۔ اسی لیے حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ حضرت ابو جحیفہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا (صحیح بخاری، کتاب الاطعمہ باب الاکل متّکئاً)۔

کھانے پینے کے اسلامی آداب میں تین باتیں بہت اہم ہیں: کھانا شروع کرنے قبل بسم اللہ کہنا، دائیں ہاتھ سے کھانا اور پلیٹ/برتن میں سے اپنے سامنے سے کھانا۔ حسنِ اتفاق کہ ایک حدیث میں ان تینوں اصولی آداب کو جمع کر دیا گیا ہے۔ حضرت عمر ابن ابی سلمہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نو جوانی میں آپ ﷺ کے زیر تربیت تھا۔ کھاتے وقت میرا ہاتھ برتن میں ادھر ادھر پھرتا رہتا تھا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے بچے! اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا نام لو، دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور تمھارے قریب جو چیز ہے وہی کھاؤ (صحیح بخاری، کتاب الاطعمہ، باب التسمیہ علی الطعام والاکل بالیمین)۔ کھاتے وقت بسم اللہ کہنے اور دائیں ہاتھ سے کھانے کی تاکید متعدد احایث میں ملتی ہے۔ حضرت عائشہؓ کی روایت کردہ یہ حدیث بہت مشہور ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو اسے چاہیے کہ بسم اللہ کرے اور اگر کوئی پہلے ایسا کرنا بھول جائے تو یوں کہے:
بسم اللہ اولہ وآخرہ (سنن ابوداؤد، کتاب الاطعمہ، باب التسمیہ علی الطعام)۔
اسی طرح یہ حدیث بھی بہت نقل کی جاتی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو دائیں ہاتھ سے کھائے اور جب کوئی چیز پیے تو دائیں ہاتھ میں لے کر پیے (صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، باب آداب الشراب والطعام و احکام منہا)۔

یہ بات بخوبی معروف ہے کہ اسلام کی رو سے مہذب طریقہ یہ ہے کہ بیٹھ کر کھایا پیا جائے۔ قرآن کریم میں اس باب میں کوئی واضح ہدایت نہیں ملتی، لیکن بعض مفسرین نے ایک آیت سے اس ضابطہ کو اخذ کرنے کی کوشش کی ہے اور وہ یہ آیت ہے:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَأْكُلُوْنَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ. (محمد/۱۲)	اور جنھوں نے کفر کیا وہ بس [دنیا کی چند روزہ زندگی کا] لطف اٹھا رہے ہیں، وہ جانوروں کی طرح کھاتے ہیں۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔

اس آیت کا مفہوم مفسرین نے عام طور پر یہ بیان کیا ہے کہ جس طرح کھاتے وقت جانور کی غرض صرف پیٹ بھرنا اور بھوک مٹانا ہوتا ہے، وہ یہ سب نہیں سوچتا کہ وہ جو کچھ کھا رہا ہے حلال ہے کہ نہیں؟، اس کا چارہ کہاں سے آرہا ہے، کس نے اسے پیدا کیا ہے، اسے دینے والے کا کچھ حق عاید ہوتا ہے کہ نہیں؟ اسی طرح کافر کو بھی جو کچھ مل جاتا ہے وہ بے فکر ہو کر اور حلال وحرام کی تمیز کے بغیر کھا پی لیتے ہیں، وہ یہ قطعاً نہیں سوچتے کہ کھانے کا مقصد کیا ہے، کون اس کا دینے والا ہے، ایا ہمارے ذمہ اس کا کچھ حق واجب ہے کہ نہیں؟۔ اس آیت کی تفسیر میں اہم بات یہ کہ بعض مفسرین نے مذکورہ مفہوم بیان کرنے کے بعد یہ بھی لکھا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''اس (آیت) سے ضمناً کھڑے کھانے کی ممانعت کا بھی اثبات ہوتا ہے جس کا آجکل دعوتوں میں عام رواج ہے، کیوں کہ اس میں بھی جانوروں سے مشابہت ہے جسے کافروں کا شیوہ بتایا گیا ہے۔ احادیث میں کھڑے کھڑے پانی پینے سے سختی سے منع کیا گیا ہے جس سے کھڑے ہوکر کھانے کی ممانعت بطریقِ اولیٰ ثابت ہوتی ہے۔ اس لیے جانوروں کی طرح کھڑے ہوکر کھانے سے اجتناب کرنا نہایت ضروری ہے'' (**تفسیر احسن البیان** [اردو ترجمہ: محمد جونا گڑھی / تفسیر: صلاح الدین یوسف]، فرید بک ڈپو، نئی دہلی، بدون تاریخ، ص ۱۱۹۰)۔

یہاں یہ وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ بعض حدیث سے کھڑے ہوکر کھانے کی ممانعت بھی ثابت ہوتی ہے اور وہ یہ ہے: عن انس عن النبی ﷺ انّہ نھیٰ ان یشرب الرجل قایماً قال قتادة فقلنا فا لاکل فقال اشرّ و اخبث (صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، باب کراھیة الشرب قایما)۔ (حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کھڑے ہوکر پانی پینے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت قتادہؒ نے حضرت انسؓ سے دریافت کیا کہ کھڑے ہوکر کھانا کیسا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ سب سے زیادہ برا اور ناپسندیدہ ہے)۔ مزید براں سنّت رسول ﷺ کے مطابق کھانے کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ اس میں عیب نہ نکالا جائے۔ اگر کسی وجہ سے کوئی چیز پسند نہیں ہے تو بہتر ہے کہ اسے چھوڑ دے، لیکن اس میں عیب نہ لگائے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی کسی کھانے کو برا نہیں کہا، اگر رغبت ہوتی کھا لیتے اور اگر ناپسند فرماتے تو اسے چھوڑ دیتے (صحیح بخاری، کتاب الاطعمہ، باب ما عاب النبی ﷺ طعاما؛ سنن ابن ماجہ، ابواب الاطعمہ، باب النھی ان یعاب الطعام)۔

اوپر قرآن وسنت کے حوالہ سے آدابِ معاشرت کے کچھ اہم پہلو واضح کیے گئے جن میں گھر میں دخول، ملاقات، سلام وکلام، لباس و پوشاک، چلنے پھرنے اور کھانے پینے کے آداب خاص اہمیت رکھتے ہیں اور معاشرت کی موجودہ صورت حال میں ان کی معنویت اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔ ان کے علاوہ معاشرت کے دوسرے پہلو بھی ہیں ان کے بارے میں قرآنی ہدایات اور حدیث کی توضیحات ان شاء اللہ آئندہ پیش کی جائیں گی۔

© rasailojaraid.com